اندلس کے ایک مشہور قاضی

ابوالولید الباجی

طفیل احمد قریشی

موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس نے جب رمضان ۹۳ھ (نومبر ۷۱۲ء) میں اشبیلیہ، ماردہ اور طلیطلہ کے علاقوں پر اسلامی پرچم لہرایا تو مختلف عرب قبائل بھی ان علاقوں میں مستقل آباد ہونے کے لیے آنے لگے۔ ان میں یمن اور حجاز کے تجیبی اور قحطانی قبائل بھی تھے۔ جو دوسری صدی کے اوائل میں بطلیوس میں آکر آباد ہو گئے۔[1] یہ مغربی اسپین کا شہر بھی ہے اور صوبہ بھی۔ اس کا موجودہ نام 'بیڈاجوز' یا 'بڈاہوس' ہے[2] اندلس کے اس مشہور فقیہ (ابوالولید) کا تعلق اسی تجیبی قبیلے سے ہے۔ آپ کے والد خلف بن سعد بطلیوس کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ جن کے ہاں ۳، ذی القعدہ ۴۰۳ھ بروز دوشنبہ نصف شب کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ والدین نے نام سلیمان رکھا۔ ابوالولید کنیت ہے۔ چنانچہ تذکرہ نویس آپ کا پورا نام قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب

---

[1] حسین مونس، فجر الاندلس، ص ۳۷۱، قاہرہ، ۱۹۵۹ء۔

[2] محمد عنایت اللہ، اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۱۵۸-۹، حیدرآباد، ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء

بن وارث التجیبی الباجی لکھتے ہیں[1] آپ کی ولادت کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے والد نے بطلیوس کو خیرباد کہا اور باجہ میں آکر آباد ہوگئے۔ آج کل یہ شہر صوبہ 'المتیجو' کا صدر مقام ہے۔ اور پرتگال کے دارالحکومت 'لزبن' (لشبونہ) کے جنوب مشرق میں بچانوے میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ یہ وہ دور ہے جب اشبیلیہ میں بنو عباد کی حکومت تھی اور باجہ کا علاقہ انہی کے زیر اثر تھا[2] اسی شہر کی مناسبت سے آپ صرف ابوالولید الباجی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

تحصیل علم

آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں تذکرہ نویسوں نے کوئی زیادہ تفصیلات نہیں دیں۔ ظاہر ہے آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کے مراحل باجہ ہی میں اور گمان غالب یہ ہے کہ گھر پر ہی طے کئے۔ البتہ تیئس ۲۳ سال کی عمر میں جب آپ مختلف علوم سے بہرہ ور ہوگئے تو مزید تعلیم کے لئے آپ نے مشرق کا رُخ کیا۔ یہ سفر ۴۲۶ھ میں آپ نے اختیار فرمایا۔ سب سے پہلے آپ مصر تشریف لے گئے اور وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ فقہی مسلک کے اعتبار سے چونکہ آپ مالکی تھے اس لئے آپ نے اس دور کے مشہور مالکی عالم ابوذر احمد بن محمد بن عبداللہ بن عفیر الانصاری (المتوفی ۴۳۴ھ) سے استفادہ کیا۔ خصوصاً ان سے سماعتِ حدیث فرمائی۔ تذکرہ نویس ابوذر کو ابن سماک بھی لکھتے ہیں اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور بھی ہیں۔ عبدالغافر تاریخ نیشاپوری میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں[3]

کان ابوذر زاھدًا ورعًا، عالمًا سخیًّا لا یدخر شیئًا وصار کبیر مشیخة

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان ج ۲ ص۱۴۲، قاہرہ، ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء
علامہ مقری، نفح الطیب، ج ۱ ص۳۵۳، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ
ابن بشکوال، الصلہ ص۱۹۷ قاہرہ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء

[2] اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص۱۴۱۔

[3] نفح الطیب ج ۱ ص۳۵۴

الحرم مشار الیہ فی التصوف خرج علی الصحیح تخریجاً حسناً وکان
حافظاً کثیر الشیوخ ..... الخ

(ابوذر زاہد، پرہیزگار، عالم اور سخی تھے۔ وہ کچھ بچاکر نہیں رکھتے تھے۔ وہ حرم کے مشائخ میں سب سے بڑے ہوگئے۔ تصوف میں ان کا پایہ بلند تھا انہوں نے صحیح بخاری کی تخریج کی۔ وہ حافظ تھے اور انہوں نے بہت سے شیوخ سے روایت کی ....)

مکہ میں ابوالولید تین سال رہے۔ اس دوران آپ نے چار حج بھی کئے۔ قیام مکہ کے دوران آپ نے اپنے استاد ابوذر کے ہمراہ مختلف مقامات کے سفر بھی کئے۔

مکہ مکرمہ سے آپ بغداد تشریف لے گئے اور یہ عباسی خلیفہ ابوجعفر عبداللہ بن القادر قائم بامراللہ (تخت نشین ۴۲۲ھ) کا دور تھا اور وہاں علماء کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ قیام بغداد کے دوران ایک طرف تو آپ نے علمی مباحث و مجالس میں اپنی صلاحیتوں سے اہل مشرق کو متعارف کرایا۔ دوسری جانب مختلف فقہی مسالک اور ائمہ حدیث سے استفادہ بھی فرمایا۔ چنانچہ ابوالطیب الطبری شافعی، قاضی ابوعبداللہ الحسن بن علی الحمیری حنفی، شیخ ابواسحاق الشیرازی اور ابن العروس المالکی وغیرہ کا شمار انہی علماء میں ہوتا ہے جن سے آپ نے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ بغداد میں آپ کی ملاقات مشہور عالم حافظ ابوبکر الخطیب سے بھی ہوئی۔ اور بقول علامہ مقری یہ ملاقات علمی اعتبار سے کافی اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کے دو عالموں کو جو اتفاق سے الباجی سے عمر میں بھی بڑے تھے، الباجی سے روایت کرنے اور الباجی کو ان سے روایت کرنے کا بھی شرف حاصل رہا۔ مشرق کے عالم سے مراد تو حافظ ابوبکر الخطیب ہیں اور مغرب کے عالم ابوعمر بن عبداللہ ہیں [1] خطیب بغدادی نے الباجی کے ۲ دو شعر لکھے ہیں جنہیں بقول ان کے الباجی اپنے بارے میں پڑھا کرتے تھے ؎

إِذْ كُنْتُ أَعْلَمُ عِلْماً يَقِيناً بِأَنَّ جَمِيعَ حَيَاتِي كَسَاعَة

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۴۔

فلم لا اکون ضنینًا بھا واجعلھا فی صلاحٍ وطاعة

(جب میں یہ جانتا ہوں کہ میری ساری زندگی صرف ایک ساعت ہے تو میں کیوں نہ اُسے احتیاط سے گذاروں ۔ اور اسے نیکی و طاعت میں صرف کروں)

ابوالولید الباجی بغداد میں تین سال ٹھہرے اس عرصے میں آپ نہ صرف مختلف الخیال لوگوں سے ملے اور ہر مکتبۂ فکر کی مجالس میں شریک ہوئے بلکہ اس دوران آپنے اپنے فقہی مسلک (مالکی) کے علاوہ احناف، شوافع اور حنابلہ کے فقہی مکاتب کا گہرا مطالعہ کیا ۔ ان دنوں مذہب ظاہری کے کچھ علماء بھی اپنے فقہی مسلک کی اشاعت و تدریس میں مشغول تھے ۔ آپنے اس مسلک کو بھی بنظرِ غائر دیکھا ۔ قیام بغداد میں آپ نے درس وتدریس اور روایت حدیث کے لئے بھی کافی وقت نکالا ۔ بغداد سے آپ نے موصل کا رخ کیا اور وہاں کے ایک مشہور عالم جعفر السمنانی کے ساتھ رہے اور ان سے حدیث، رجال، فقہ اور کلام میں استفادہ کیا ۔ کہا جاتاہے کہ موصل میں ایک سال قیام کے بعد آپ دمشق تشریف لے گئے اور حلب کے قاضی بھی مقرر ہوئے [۱]

مکہ، بغداد اور موصل میں قیام کے دوران متذکرہ علماء کے علاوہ آپ نے جن علماء سے استفادہ فرمایا، 'ابن بشکوال' ان میں حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی الصوری، ابوالحسن الفقیقی، حافظ ابوالنجیب، ابوالفتح الطناجیری اور ابوعلی العطارد وغیرہ کے ناموں کا اور اضافہ کرتے ہیں [۲]

آپ نے وطن عزیز (اُندلس) سے ۴۲۶ھ میں رختِ سفر باندھا تھا ۔ مکہ، موصل، بغداد، دمشق اور دیگر مقامات میں آپ کا قیام کل تیرہ سال رہا چنانچہ مشرق کے مختلف علمی چشموں سے سیراب ہو کر آپ تقریباً ۴۳۹ھ میں واپس 'اندلس' تشریف لے آئے ۔

تیرہ سال مشرق میں قیام کے بعد جب آپ واپس وطن پہنچے تو آپ کے علم وفضل کا چرچا اندلس میں پہلے ہی دور دور تک ہو چکا تھا ۔ عوام اور خواص نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ

۱ؔ نفح الطیب ج ا ص ۳۵۴ ۔ ۲ؔ الصلۃ ج ا ص ۱۹۷

لیا۔ لیکن وطن آکر جب آپ نے اپنے گردوپیش نظر دوڑائی تو حالات کو کافی پریشان کُن پایا۔

سب سے پہلے آپ کی نظر اپنے ملک کی سیاسی صورتِ حال پر پڑی۔ اندلس کی تاریخ میں اس دور کو طوائف الملوکی کا دور کہا جاتا ہے۔ 'بنو امیہ' کی شمع اقتدار گل ہونے کو تھی۔ اموی سلطنت کچھ تو بیرونی حملوں کی وجہ سے اور کچھ اندرونی خلفشار سے کمزور ہوچکی تھی۔ مختلف علاقوں کے رؤسار اور امراء عملی طور پر خود مختار ہوتے جارہے تھے۔ مزید یہ ہے کہ ان کی آپس کی سیاسی مناقشت اور سیاسی دھڑے بندیوں نے عجیب صورتِ حال پیدا کردی تھی۔ ان حالات میں مختلف خودمختار قسم کے رؤسار کو ایک جگہ جمع کرنا مشکل ترین کام ضرور تھا مگر ابوالولید نے ہمت نہ ہاری اور وہ ذاتی اثر کو استعمال کرتے ہوئے رؤسار کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات ختم کرانے میں کافی حد تک کامیاب ہوگئے [1]

جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں اندلس کی عدالتوں میں مالکی فقہ کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ اور عوام میں بھی اس فقہ کا چرچا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک نیا فقہی مذہب بھی مختلف حلقوں میں اپنایا جارہا تھا، جسے 'ظاہری مذہب' کہا جاتا ہے۔ اندلس میں اس فقہی مسلک کے داعی علامہ ابن حزم تھے جو نہ صرف ابوالولید الباجی کے ہمعصر ہیں بلکہ علم ودانش میں بھی ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ جب ابوالولید وطن لوٹے تو ابن حزم اپنے فقہی مسلک کی اشاعت میں سرگرم کار تھے۔ چنانچہ ابوالولید نے نہ صرف اس فقہی مسلک کے زور کو کم کرنے میں مالکی فقہاء کا ساتھ دیا بلکہ خود علامہ ابن حزم سے مناظرے کئے۔ ان علمی مناظروں میں ان دونوں کی نوک جھونک بڑی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ ایک موقعہ پر الباجی نے ابن حزم پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے، میں نے چوکیدار کے چراغ کی روشنی میں تعلیم پائی ہے" ابن حزم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تو پھر

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۵۔

مجھے بھی معذور فرمائیے ، میں نے بھی سونے چاندی کے منبروں پر تعلیم پائی ہے [1]

ان جملوں سے دونوں کی شخصیت پر بھی نظر پڑتی ہے ۔ ابوالولید نے شہر شہر پھر کر اور تکالیف ومصائب برداشت کر کے علم حاصل کیا ۔ اس کے برعکس ابن حزم وزیرزادے تھے ۔ آپ کی تعلیم بھی رئیس زادوں کی طرح ہوئی ۔ فقہی اختلاف اور اس نوک جھونک کے باوجود علامہ ابن حزم' ابوالولید کے علمی تبحر کے معترف تھے ۔ ابن بسام نے ایک روایت لکھی ہے کہ

بلغنی انہ ابن حزم کان یقول لولم یکن لاصحاب المذھب المالکی بعد عبد الوھاب الا مثل ابی الولید الباجی لکفاھم ۔

(مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ابن حزم فرماتے تھے ۔ عبدالوہاب کے بعد مالکیوں میں الباجی کے علاوہ اگر اور کوئی (جید عالم) نہ بھی ہوتا تو ان کے لئے کافی تھا [2])

ابوالولید الباجی جہاں اچھے مدبر اور متکلم ثابت ہوئے وہاں وہ ایک ممتاز فقیہ بھی ہیں مشرق کے طویل سفر میں مختلف فقہی مسالک کا جو جامع مطالعہ آپ نے کیا اس سے اندلس والوں کو بھی آپ نے استفادہ کرنے کا موقعہ دیا۔

ظاھریہ اور مختلف علماء سے علمی مناظروں ، مختلف امراء کو سیاسی طور پر ایک دوسرے کے قریب لانے کے بعد جو وقت بھی آپ کے پاس بچتا ، آپ وہ درس وتدریس میں صرف کرتے اور طالب علموں کو علمی استفادہ کا موقع دیتے ۔ 'اندلس' میں ان دنوں کسی عالم کے علمی تبحر کا اعتراف اُسے "قضا" کے عہدے کی پیشکش کی صورت میں کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ آپ کو 'سرقسطہ' کا قاضی بنا دیا گیا ۔ سرقسطہ اس دور میں اندلس کا ایک صوبہ تھا جسے آج کل 'ساراگوستا' یا زاراگوزا بھی کہا جاتا ہے ۔ اس صوبہ کے مشہور شہر لاردہ، قلعہ ایوب ، طرسونہ ، وشقہ ، تمریط اور مدینہ سالم وغیرہ تھے [3] جس زمانے میں آپ

۱؎ ابوزہرہ، ابن حزم، قاہرہ ۔ ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء بحوالہ معجم الادباء ج ۱۲ ص ۲۴۴

۲؎ نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۳ ۔ ۳؎ اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۲۴

اس علاقے کے قاضی بنائے گئے، یہاں ابو ایوب سلیمان (المتوفی ۴۳۸ھ) کے بیٹے ابوجعفر احمد المقتدر باللہ (المتوفی ۴۷۴ھ) کی حکومت تھی۔

تصنیفات

ابو الولید الباجی کی تصنیفات جو ہم تک قلمی صورت میں پہنچی ہیں، ان کی نفح الطیب[1] کے مصنف نے ایک فہرست پیش کی ہے جس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ سیاسی، تدریسی اور عدالتی مصروفیات کے باوجود آپ نے جو شہ پارے چھوڑے، وہ پانچویں صدی ہجری کے اسلامی علوم کی فہرست کتب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان میں کچھ کتب حدیث اور کچھ فقہ میں ہیں۔ چند کتابیں اصولِ حدیث، اصول فقہ، تفسیر اور علم کلام پر بھی ہیں۔ چنانچہ آپ کی مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) التصدیر الی معرفۃ التوحید

(۲) السراج فی الخلاف

(۳) التبیین لسائل المہتدین فی اختصار فرق الفقہاء

(۴) ترتیب الحجاج۔

(۵) شرح المنہاج۔

(۶) سنن المنہاج۔

(۷) احکام الفصول فی احکام الاصول۔

(۸) الاشارۃ فی اصول الفقہ۔

(۹) تفسیر قرآن الحکیم۔

(۱۰) التعدیل والتجریح لمن خرج عنہ البخاری فی الصحیح۔

(۱۱) شرح مؤطا (جس کو الاستیفاء اور المنتقی میں بانٹ دیا گیا ہے اور جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور مالکی فقہ کی اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے)

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۳۔

(۱۲) المعانی فی شرح المؤطا (جو بقول چند لوگوں کے بیس جلدوں پر مشتمل ہے)
(۱۳) کتاب الایماء (پانچ جلدوں میں)
(۱۴) اختلاف المؤطات
(۱۵) کتاب الحدود
(۱۶) سنن الصالحین
(۱۷) مختصر المختصر فی مسائل المدونة۔

شعر و ادب ابوالولید الباجی ممتاز عالم اور قاضی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کی نثر نگاری کا اندازہ توان کتب سے لگایا جا سکتا ہے، جو مختلف کتب خانوں اور آثار قدیمہ کے مختلف مراکز میں موجود ہیں۔ لیکن ان کی نظم کے بیشتر نمونے مختلف تصانیف میں ملتے ہیں۔ کہیں کہیں الباجی خود بھی اشعار نقل کر جاتے ہیں لیکن مضمون چونکہ خالص علمی ہوتا ہے اس لئے تحقیقی کتب میں اشعار نقل کرنے سے وہ اجتناب ہی کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ ان کے اشعار منتشر ہیں اور مختلف کتب میں صرف تذکرۃً ملتے ہیں۔

وفات قاضی ابوالولید نے ۱۹ رجب ۴۷۴ھ جمعرات کی رات داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور رباط میں ضفۃ البحر، میں دفن کئے گئے نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے ابوالقاسم نے پڑھائی [1] آپ کے یہ صاحبزادے خود بھی اچھے عالم تھے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

سکن سرقسطہ وغیرھا وروی عن ابیہ معظم علمہ وخلفہ بعد وفاتہ فی حلقتہ وغلب علیہ علم الاصول ... الخ [2]

---

[1] ابن بشکوال ج ۱۔ ص۱۹۹ ۔ ابن خلکان، ج ۲ ص۱۴۲ ۔ نفح الطیب ج ۱ ص۳۵۳ ۔

[2] نفح الطیب ج ۲ ص۲۵ ۔

"یعنی وہ سرقسطہ وغیرہ میں رہے اور اپنے والد (ابوالولید) سے روایت کی۔ علم میں ان کا مقام بلند ہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے حلقہ میں ان کے جانشین ہوئے۔ علم اصول فقہ میں انہیں کافی دسترس تھی۔"

ابوالولید الباجی کی وفات سے نہ صرف ایک مالکی فقہ کے ممتاز عالم کی کمی ہوگئی بلکہ اہل اندلس ایک اچھے مدبر اور قاضی سے بھی محروم ہوگئے۔

ابوعلی بن سکرہ کا یہ قول آپ کی جملہ صفات کی نشاندہی کے لئے ایک جامع ترین بیان ہے کہ

مارأیت مثل ابی الولید الباجی ، ومارأیت احداً اعلی ھیئتہ وسمتہ وتوقیرمجلسہ۔ (نفح الطیب ج ۱ ص۳۵۳)

یعنی میں نے ابوالولید الباجی جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ جیسی شخصیت وضع اور مجلسی دبدبہ کا سا کوئی نظر آیا۔

قاضی ابوالولید الباجی کی ایک نظم کے چند شعر

مضی زمن المکارم والکرام ۔۔۔ سقاہ اللہ من صوب الغمام
وکان البر فعلاً دون قولٍ ۔۔۔ فصار بعد نطقاً بالکلام
وزال النطق حتی لست تلقی ۔۔۔ فتی بسخو بردٍ للسلام
وزاد الامر حتی لیس الا ۔۔۔ سخی بالاذی او بالملام

(اچھائیوں اور اچھوں کا زمانہ گیا، اللہ اس زمانے کو بادل سے سیراب کرے۔ اس زمانے میں قول کے بجائے عملاً نیکی تھی، پس وہ محض زبانی بن کر رہ گئی۔ اور وہ زبانی بھی نہ رہی یہاں تک کہ تو کسی کو جواب میں سلام تک کہتا نہیں پاؤ گے۔ اور معاملہ اس حد سے بھی آگے بڑھ گیا ہے اور اب اذیت اور ملامت کے سوا اور کچھ نہیں ملتا)۔